انسداد سود کی کوششیں اور حکومت کا رویہ

انسدادِ سود کی کوششوں کی ناکامی کی المناک کہانی

حافظ صلاح الدین یوسف

۱۰/ اپریل ۲۰۱۷ء کے اخبارات میں وفاقی شرعی عدالت کے موجودہ چیف جسٹس جناب ریاض احمد خاں (خیال رہے اس بیان کے چند روز بعد موصوف ریٹائر ہوگئے) کے یہ ریمارکس شائع ہوئے ہیں کہ

''سود کی ممانعت کے وقت کی معیشت اور آج کی معیشت میں فرق ہے۔ اس وقت کے نظام کو آج کے وقت میں کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے؟''

موصوف نے یہ ریمارکس ملک بھر میں سودی نظام کے خاتمے سے متعلق شرعی عدالت میں کیس کی سماعت کے دوران دیئے۔ اس مقدمے کی سماعت چار رکنی بنچ نے کی۔ اس موقع پر چیف جسٹس نے یہ بھی کہا کہ ربا، سود اور انٹرسٹ تین مختلف لفظ ہیں۔ کیا یہ تینوں ہم معنی ہیں یا اُن میں فرق ہے؟ اس سوال سے موصوف کا مقصد ان تینوں الفاظ کا مفہوم و معنی ایک دوسرے سے مختلف باور کرانا تھا۔ چنانچہ اُنہوں نے یہ کہہ کر کہ ''موجودہ دور میں انٹرسٹ کی تعریف سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ ہے۔'' اس کی طرف واضح اشارہ بھی فرمادیا۔ یہ وہ مختصر تفصیل ہے جو اس مقدمے کی بابت اخبارات میں شائع ہوئی ہے۔ اس سماعت کے بعد اس کی سماعت غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔

یہ مقدمہ کیا ہے؟

اس سے قبل کہ ہم اس مقدمے کی ابتدائی سماعت کے وقت محترم چیف جسٹس صاحب کے ریمارکس پر کچھ عرض کریں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم قارئین کو یہ بتلائیں کہ یہ مقدمہ ہے کیا؟

اس مقدمہ کا پس منظر اور اس کی ضروری روداد بیان کرنا اس لئے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حکومت کی وہ بدنیتی یا عدم دلچسپی واضح نہیں ہوسکتی جو پاکستانی حکومت خاتمۂ سود کے لئے اپنی آئینی اور شرعی ذمہ داری کی ادائیگی میں مسلسل پہلوتہی کی صورت میں کرتی آرہی ہے اور اس کی یہ کوتاہی تاحال جاری ہے۔

حکومت کی یہ آئینی اور شرعی ذمہ داری کیوں ہے؟

سود کا خاتمہ، حکومت کی آئینی ذمہ داری اس لئے ہے کہ پاکستان کے تینوں آئینوں: پہلے آئین ۱۹۵۶ء، دوسرے ایوب خان کے آئین ۱۹۶۲ء، اور تیسرے آئین ۱۹۷۳ء میں اس بات کی ضمانت اور اس بات کا عزم ظاہر کیا گیا تھا کہ حکومت پاکستان نظامِ معیشت سے سود کی لعنت کو ختم کرنے کے لئے بھرپور کوشش کرے گی، حکومت جس قدر جلد ممکن ہو سکے، ربا کو ختم کرے گی۔

شرعی ذمہ داری اس لئے ہے کہ قرآن کریم میں سودی نظام پر اصرار اور تسلسل کو اللہ و رسول کے ساتھ جنگ قرار دیا گیا ہے۔ بنابریں کسی بھی مسلمان حکمران کے لئے انسداد سود کی کوششوں سے بے اعتنائی کا کوئی جواز نہیں ہے۔

غفلت اور بے اعتنائی کی المناک روداد

۱۹۶۲ء کے آئین کی رو سے قومی سطح پر، اسلامی نظریاتی کونسل، کے نام سے ایک دستوری ادارہ قائم کیا گیا جس میں تمام مسالک سے تعلق رکھنے والے مستند علمائے کرام کو نمائندگی دی گئی۔ اس ادارے کے منصبی فرائض میں یہ بات شامل کی گئی کہ یہ ادارہ ایسی تجاویز مرتب کرے گا جن پر عمل کر کے پاکستان کے عوام کی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالا جا سکے۔ چنانچہ ۳؍دسمبر ۱۹۶۹ء کو اسلامی نظریاتی کونسل نے اپنی آئینی ذمہ داری کو ادا کرتے ہوئے ایک رپورٹ تیار کی جس میں اتفاقِ رائے سے اس امر کا اظہار کیا گیا کہ

> ”ربا اپنی ہر صورت میں حرام ہے اور شرح سود کی کمی بیشی سود کی حرمت پر اثر انداز نہیں ہوتی۔ مزید یہ کہ موجودہ بینکاری نظام کے تحت افراد، اداروں اور حکومتوں کے درمیان قرضوں اور کاروباری لین دین میں اصل رقم پر جو اضافہ یا بڑھوتری لی یا دی جاتی ہے، وہ ربا کی تعریف میں آتی ہے۔ سیونگ سرٹیفکیٹس میں جو اضافہ دیا جاتا ہے، وہ بھی ربا میں شامل ہے اور اس کے ساتھ ساتھ صوبوں، مقامی اداروں اور سرکاری ملازمین کو دیے گئے قرضوں پر اضافہ بھی سود ہی کی ایک قسم ہے۔ لہٰذا یہ تمام صورتیں حرام ہیں اور ممنوع ہیں۔“

نظریاتی کونسل کی یہ سفارشات سودی نظام کے خاتمے کے لئے نہایت جامع تھیں اور ایک آئینی ادارہ ہونے کے اعتبار سے یہ ضروری تھا کہ ان سفارشات کو پارلیمنٹ میں پیش کیا جاتا اور اس کے مطابق انسدادِ سود کے لئے مناسب قانون سازی کی جاتی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا۔

کونسل کی مرتب کردہ اس رپورٹ کے ۸ سال بعد ۱۹۷۷ء میں صدر جنرل ضیاء الحق نے کونسل کو ہدایت کی کہ وہ ضروری تحقیق اور تفتیش کے بعد ایسے طریقے بھی تجویز کرے جن کو اپنا کر سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جاسکے۔ حالانکہ اُصولی طور پر یہ کام پارلیمنٹ کا تھا، کونسل نے تو نہایت جامع انداز سے ایک رپورٹ مرتب کر کے ساری صورت حال واضح کر دی تھی۔ بہر حال کونسل نے مزید اتمام حجت کے لئے بنک کے ماہرین، اقتصادیات کے ماہرین اور علماے کرام سے طویل گفتگو اور بحث و مباحثہ کے بعد ۲۵ جون ۱۹۸۰ء کو اپنی رپورٹ صدر ضیاء الحق کے سامنے پیش کر دی۔ اس رپورٹ میں سود کو ختم کر کے اس کے متبادل نظام کی جملہ تفصیلات درج تھیں اور کہا گیا کہ ان تجاویز پر عمل درآمد سے دو سال کے اندر اندر پاکستان کی معیشت سود سے مکمل طور پر پاک ہو سکتی ہے لیکن حکومت اور اس پر مسلط کردہ بیوروکریسی نے صدق دلانہ طور پر کونسل کے بتلائے ہوئے طریقہ کار کو تو اختیار نہیں کیا، البتہ اپنے اپنے طور پر کچھ ایسے نیم دلانہ اقدامات کئے جس سے یہ تاثر یا یہ مغالطہ دیا جاسکے کہ حکومت نے اس کام کا آغاز کر دیا۔ اور یہ اقدامات وہی تھے جو بنکوں میں غیر سودی کھاتوں کے نام سے بھی ایک ایک شعبہ کھول دیا گیا۔ اوّل تو یہ سودی کھاتوں کے ساتھ ساتھ ایک غیر سودی کھاتے کا نظام بھی، سودی نظام کے خاتمے کے لئے متبادل نظام نہیں تھا۔ دوسرے غیر سودی کھاتے میں نئی اصطلاحات متعارف کرائی گئیں، مثلاً مشارکہ، مضاربہ، مرابحہ اور بیع مؤجل وغیرہ۔ یہ اصطلاحات بظاہر شرعی اور فقہی تھیں جس سے یہ تاثر دیا گیا کہ سودی صورتوں کے مقابلے میں غیر سودی طریقے اختیار کر لئے گئے ہیں۔ تاہم حقیقت اس کے برعکس تھی، یہ صرف ناموں یا اصطلاحات کا ہیر پھیر تھا اور ان کھاتوں کے اندر بھی سودی روح ہی کارفرما تھی۔ چنانچہ نظریاتی کونسل، جس نے بڑی محنت سے سود سے بچاؤ کے طریقے تجویز کر کے حکومت کو دیئے تھے، صورتحال کو دیکھتے ہوئے کہ بقول فیض ؎

یہ داغ داغ اُجالا یہ شب گزیدہ سحر　　وہ انتظار تھا جس کا، یہ وہ سحر تو نہیں

ایک نئی رپورٹ تیار کی جس میں اپنی رپورٹ کی پامالی اور ناقدری پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا گیا:

"کونسل نے ۱۹۸۰-۱۹۸۱ء میں کئے جانے والے ان اقدامات کا جائزہ لیا جو حکومت نے اسلامی نظامِ معیشت کے نفاذ کے سلسلے میں انجام دیئے ہیں۔ ان میں خاتمۂ سود کے لئے کیے جانے والے اقدامات ان سفارشات کے بالکل برعکس ہیں جو کونسل نے تجویز کیں۔ حکومت نے وہ طریق کار اختیار کیا جو مقصد کو فوت کرنے کا سبب بن گیا۔"

اس وقت کے بعض ممبران کونسل نے راقم کو بتایا کہ جب صدر ضیاء الحق کے سامنے بعض حضرات نے

شکوہ کیا تو موصوف نے کہا کہ وہ کوشش کریں گے کہ بینکاروں اور سودی خاتمے کی رپورٹ تیار کرنے والوں کی باہم ملاقات کروائیں تاکہ باہم تبادلہ خیالات سے کوئی بہتر صورت نکل سکے لیکن مرحوم صدر کی طرف سے اس تجویز پر عمل درآمد کی کوئی صورت سامنے نہیں آئی۔ اور سودی نظام اپنی جدید اور قدیم صورتوں کے ساتھ جاری وساری رہا۔ اور کونسل کی ساری محنت بھی رائیگاں ہی گئی ؎

اس موج کے ماتم میں روتی ہے بھنور کی آنکھ　　دریا سے اُٹھی لیکن ساحل سے نہ ٹکرائی

عدالت کے ذریعے سے دوسری کوشش اور حکومت کی وہی، نہ مانوں، کی پالیسی

۱۹۹۰ء میں جناب محمود الرحمٰن فیصل نے وفاقی شرعی عدالت میں ایک درخواست دی کہ رائج الوقت سودی نظامِ معیشت کو غیر اسلامی قرار دے کر اس پر پابندی عائد کی جائے اور حکومت کو ہدایت کی جائے کہ پاکستان کے معاشی نظام سے سود جیسی لعنت کا خاتمہ کیا جائے۔ عدالت نے اس کیس اور اس سے ملتے جلتے ۱۱۴ دیگر کیسوں کی مشترکہ سماعت کی۔ اس مقدمے میں شرعی عدالت نے بینکاروں، ماہرین اقتصادیات، حکومتی نمائندوں اور علماء کو تفصیلی طور پر سنا اور موضوع سے متعلقہ تمام اہم مباحث کو زیر غور لایا گیا اور تحریری اور زبانی بیانات حاصل کئے اور اکتوبر ۱۹۹۱ء میں ۱۵۷ صفحات پر مشتمل اپنا تاریخی فیصلہ سنایا۔ فیصلہ کرنے والے اس بنچ میں جسٹس تنزیل الرحمن بطورِ چیف جسٹس، جسٹس فدا محمد خان اور جسٹس عبید اللہ خاں شامل تھے۔

شرعی عدالت نے اپنے فیصلے میں نہ صرف یہ کہ سود کی ایسی تعریف متعین کی جسے معیار بنا کر مروّجہ نظام معیشت میں پائے جانے والے سودی معاملات اور آئین اور دستور میں مذکور سودی دفعات کا جائزہ لیا جا سکتا تھا بلکہ رائج تمام سودی قوانین (۲۲ قوانین) کا جائزہ لے کر بینکنگ سمیت تمام سودی لین دین کو حرام قرار دیا اور وفاقی حکومت اور تمام صوبوں سے بھی کہا کہ وہ ۳۰/جون ۱۹۹۲ء تک متعلقہ قوانین میں تبدیلی کر لیں اور یہ بھی کہا کہ یکم جولائی ۱۹۹۲ء سے تمام سودی قوانین غیر آئینی ہو جائیں گے اور تمام سودی کاروبار غیر اسلامی ہونے کی بنا پر ممنوع قرار پائے گا۔

یہ تاریخ ساز فیصلہ دستور اور آئین کے تقاضوں کے مطابق بھی تھا اور عوام کی خواہشات کے مطابق بھی۔ اس لئے اس فیصلے کو ہر سطح پر سراہا گیا اور عوام کی اُمنگوں کا مظہر قرار دیا گیا۔ لیکن ظاہر بات ہے کہ حکومت جو اندرونی اور بیرونی قرضوں میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے اور اس سے نکلنے کی کوئی آرزو اور خواہش بھی نہیں رکھتی، علاوہ ازیں اس ظالمانہ نظام سے اس کے اور اس کے حوالی موالیوں کے بہت سے مفادات بھی وابستہ ہیں،

اس کے لئے یہ فیصلہ قطعاً ناقابل قبول تھا اور اُس نے حیلۂ پرویزی کے ذریعے سے اس کو سبوتاژ کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ ۳۰/ جون ۱۹۹۲ء کے آنے سے پہلے پہلے مالیاتی اداروں، بینکوں اور بعض افراد نے سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ میں وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے خلاف اپیلیں دائر کر دیں۔ یہ اپیلیں شرعی عدالت کے فیصلے کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ بن گئیں۔ چنانچہ حکومت اپنی اس کوشش میں کامیاب رہی اور سات سال تک یہ اپیلیں شریعت اپیلیٹ بنچ کے سرد خانے میں پڑی رہیں۔ بالآخر ۱۹۹۹ء کے اوائل میں سپریم کورٹ میں ایک شریعت اپیلیٹ بنچ تشکیل دیا گیا۔ اس بنچ نے کئی ماہ تک مسلسل ان اپیلوں کی سماعت کی۔

اس پانچ رکنی بنچ میں جسٹس خلیل الرحمن خاں (بطور چیئرمین)، جسٹس وجیہ الدین، جسٹس منیر اے شیخ، جسٹس مفتی مولانا تقی عثمانی اور جسٹس ڈاکٹر محمود احمد غازی شامل تھے۔ معزز عدالت نے سماعت کے دوران مقدمے میں زیر بحث آنے والے اہم فقہی مباحث، معاشی، معاشرتی، قانونی اور آئینی معاملات (ایشوز) پر رہنمائی حاصل کرنے کے لئے فریقین کے وکلا حضرات کے علاوہ ماہرین علم و فن سے بھی اپیل کی کہ وہ زیر بحث مسئلے کے حوالے سے عدالت کی معاونت کریں۔ اس سلسلے میں بنچ نے دس سوالات بھی مرتب کر کے مختلف علماء کو بھیجے، راقم نے بھی ان سوالات کا جواب لکھ کر عدالتِ عظمیٰ کو ارسال کیا تھا، راقم کے یہ جوابات ایک مستقل مضمون کے طور پر 'محدث' کے سود نمبر (مجریہ ستمبر ۱۹۹۹ء) میں شائع ہو چکے ہیں۔ صوبہ خیبر پختونخوا کے مولانا گوہر رحمن نے بھی ان سوالات کے جواب تحریر فرمائے تھے۔ یہ دس سوال نہایت اہمیت کے حامل تھے جس سے مسئلہ زیر بحث کے اہم گوشے واضح ہو جاتے ہیں اور صحیح رہنمائی بھی حاصل ہو جاتی ہے۔ علاوہ ازیں پاکستان کے علاوہ اسلامی دنیا کے متعدد نامور محققین اور قانون دان حضرات نے فاضل عدالت کی رہنمائی کرتے ہوئے اپنی آرا اور تجاویز سے تحریری طور پر اور زبانی بھی مستفید کیا اور جدید و قدیم معاشی کتب و جرائد کے علمی ذخیرے سے اہم اقتباسات کی نقول عدالت کے روبرو پیش کیں۔

اس سارے مواد کی چھان پھٹک اور علما و وکلا کی بحثوں کی سماعت کرنے کے بعد سپریم کورٹ کے مذکورہ بنچ نے وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کو عمومی طور پر درست قرار دیتے ہوئے جدید بینکاری سمیت تمام دیگر سودی قوانین کو اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ممنوع اور حرام قرار دے دیا اور حکومت کو مزید مہلت دیتے ہوئے ہدایت جاری کی کہ وہ جون ۲۰۰۱ء تک تمام غیر اسلامی قوانین کو نئے قوانین سے بدل کر بینکنگ اور دیگر معاشی معاملات کو سود سے پاک کر دے۔

وفاقی شرعی عدالت کے فیصلے کے بعد، جو اکتوبر ۱۹۹۱ء میں منظر عام پر آیا تھا، یہ دوسرا نہایت اہم فیصلہ تھا جو

آٹھ سال کے بعد سامنے آیا۔ دونوں موقعوں پر علما اور صحیح الفکر وکلا کی طرف سے بھرپور دلائل پیش کئے گئے اور فاضل عدالت کی طرف سے کئے گئے سوالات کے مدلل جوابات دیئے گئے جن سے مزید بہت سے پہلو منقح اور واضح ہوئے اور پہلے مقدمے کی طرح اس دوسرے مقدمے میں بھی فاضل عدالت کے لئے اس کے سوا کوئی چارۂ کار باقی نہ رہا کہ وہ سود کی ممانعت کا قطعی فیصلہ صادر کردے۔

حکومت کی بدنیتی اور گریز پائی

لیکن بدنیتی اور گریز پائی کا تو کسی کے پاس بھی علاج نہیں ہے اور جب ایک فریق یہ تہیہ ہی کرلے کہ اس نے کسی صورت بھی موجودہ ظالمانہ نظام کو بدلنا نہیں ہے تو عدالتی فیصلے اس کے لئے کیا حیثیت رکھتے ہیں جبکہ یہ فریق ہمہ مقتدر بھی ہو۔ چنانچہ اس دوسرے نہایت اہم فیصلے کے بعد اس کو بھی Torpedo کرنے کی سازش تیار کرلی گئی۔ اور جون ۲۰۰۱ء آنے سے پہلے پہلے حکومت نے ایک درخواست شریعت بنچ کے سامنے دائر کی جس میں یہ استدعا کی گئی کہ سودی نظام کو ختم کرنے کے لئے مزید دو سال کی مہلت دی جائے۔ عدالت نے اس درخواست کی بنیاد پر حکومت کو ایک سال کی مزید مہلت دیتے ہوئے کہا کہ وہ جون ۲۰۰۲ تک مطلوبہ آئینی وانتظامی اقدامات مکمل کرلے۔

اگر حکومت انسداد سود کے لئے عملی اقدامات کرنے کی خواہش مند ہوتی تو یقیناً وہ اس مہلت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے عملی اقدامات بروئے کار لانے کا اہتمام کرتی لیکن اُس نے اس کی طرف ایک قدم بھی نہیں اٹھایا بلکہ جب عدالت کی دی ہوئی مہلت ختم ہونے کے قریب آئی تو ایک نجی بینک UBL کی جانب سے نظر ثانی کی ایک درخواست عدالتِ عظمیٰ میں پیش کردی گئی۔

انھی ایام میں یہ المیہ بھی ہوا یا عمداً ایسا کیا گیا کہ شریعت اپیلیٹ بنچ کے جن ارکان نے فیصلہ دیا تھا، ان میں سے چار جج فارغ کردیئے گئے اور صرف ایک جج جسٹس منیر اے شیخ باقی رہ گئے تھے۔ اب نظر ثانی کی اپیل کی سماعت جس بنچ نے کرنی تھی، وہ حسب ذیل ارکان پر مشتمل تھی:

جسٹس شیخ ریاض احمد (چیئرمین) — جسٹس وقاص محمد فاروق

جسٹس ڈاکٹر خالد محمود — اور — جسٹس رشید احمد جالندھری

آخر الذکر دو فاضل جج، جو علما کی نشست پر براجمان کئے گئے، ان کا اسلامی کردار ہر دور میں محل نظر ہی رہا ہے، جس کی تفصیل کا یہ محل نہیں، تاہم واقفِ حال حضرات سے مخفی نہیں۔ بہر حال اس بنچ نے مقدمے کی

از سر نو سماعت کی اور وہ تمام مباحث جن پر پہلے تفصیلی بحث ہو چکی تھی اور وہ گویا طے شدہ تھے، دوبارہ زیر غور لائے گئے اور بینک کے وکلا اور سرکاری وکلا کو غلط مبحث کا پورا موقع دیا گیا تاکہ بحث کا وہ رخ، جو اس سے پہلے دو مقدموں میں واضح طور پر متعین ہو چکا تھا، اس کو غلط رخ پر موڑا جا سکے اور ڈور کے سلجھے ہوئے سرے کو اُلجھا دیا جائے کہ اس کا سرا ہاتھ ہی نہ آئے، یا صحیح رخ پر جاتی گاڑی کی پٹڑی بدل دی جائے تاکہ وہ پٹڑی سے ہی اُتر جائے یا اپنی اصل منزل مقصود پر نہ پہنچ پائے۔

اگرچہ صحیح الفکر علما اور وکلا نے بھی عدالت کے سامنے اپنے دلائل پیش کئے، انہوں نے بالخصوص حسب ذیل اُمور پر زور دیا:

☆... موجودہ بنچ کی تشکیل آئین کے ضوابط کے مطابق نہیں۔

☆... نظر ثانی کے معاملے میں عدالت کے اختیار بہت محدود ہوتے ہیں۔

☆... جن قوانین، ضوابط اور حقائق کا جائزہ، فیصلہ دینے والی عدالتِ عظمیٰ تفصیل سے لے چکی ہو، اُنہیں نظر ثانی کی آڑ میں دوبارہ نہیں اُٹھایا جا سکتا۔

☆... مذکورہ فیصلہ کے مخالف وکلا نے جن اُمور کو نظر ثانی کی بنیاد بنایا ہے، ان سب پر تفصیلی بحث ہو چکی ہے اور تمام بحث کے بعد ہی سابقہ فیصلے صادر کئے گئے تھے۔

☆... یہ دلیل بھی پیش کی گئی کہ سپریم کورٹ کے فیصلے پر جزوی عمل ہو چکا ہے، اب قانون اس پر نظر ثانی کی اجازت نہیں دیتا۔

یہ پانچ نکتے جو اسلامی ذہن رکھنے والے وکلا نے اُٹھائے، نہایت اہمیت کے حامل تھے۔ اگر نظر ثانی کی یہ اپیل ایک سازش نہ ہوتی اور بنچ کی تشکیل میں بھی خفیہ مقاصد کارفرما نہ ہوتے تو ان نکتوں کی بنیاد پر نئی بحثوں کو کالعدم قرار دے کر اور سابقہ دو فیصلوں کے طے شدہ امور کو تسلیم کر کے بجا طور پر نظر ثانی کی اپیل کو نامنظور اور سابقہ فیصلوں کی بحالی کا فیصلہ کیا جا سکتا تھا لیکن یہ سارا ڈرامہ رچایا ہی اس لئے گیا تھا کہ حکومت سود کے ظالمانہ نظام سے چھٹکارا حاصل کرنا ہی نہیں چاہتی۔ چاہے فوجی حکومت ہو یا سویلین حکومت، دونوں ہی قسم کے حکمران اَغیار کے کسے ہوئے شکنجے سے نکلنے کا کوئی عزم ہی نہیں رکھتے۔ ۱۹۹۱ء میں جب پہلا فیصلہ آیا تھا، نواز شریف وزارتِ عظمیٰ پر براجمان تھے۔ اس کے بعد یہ فیصلہ تعطل کا شکار رہا، یہ دور بے نظیر کی وزارتِ عظمیٰ کا تھا۔ ۱۹۹۹ء میں جب دوسرا فیصلہ آیا تو پرویز مشرف کی فوجی حکومت تھی۔

اب کے بھی دن بہار کے یوں ہی گزر گئے!

بہر حال چند دن کی سماعت کے بعد نظر ثانی کے لئے تشکیل کردہ بنچ نے انتہائی عجلت میں ۲۴ جون ۲۰۰۲ء کو اپنا فیصلہ سناتے ہوئے شریعت اپیلیٹ بنچ کا فیصلہ منسوخ کر دیا اور مقدمے کو از سر نو سماعت کے لئے دوبارہ وفاقی شرعی عدالت میں بھیجنے کے احکامات صادر کر دیئے۔ اس طرح اس عدالت نے طویل کوششوں اور جاں گسل محنتوں پر پانی پھیر دیا اور انسدادِ سود کا یہ دوسرا فیصلہ بھی کالعدم قرار پا گیا۔

شرعی عدالت کا سرد خانہ

اب تیسری مرتبہ یہ کیس پھر شرعی عدالت کے سپرد ہو گیا۔ پہلا فیصلہ جو ۱۹۹۱ء میں شرعی عدالت کی طرف سے آیا تھا، جسے تسلیم نہیں کیا گیا، وہ ۱۹۹۹ء تک سپریم کورٹ کے سرد خانہ میں پڑا رہا، جب اس کی طرف سے دوسری مرتبہ فیصلہ آیا جس میں پہلے فیصلے ہی کی توثیق کی گئی تھی، اسے بھی نظر ثانی کے نام پر سبوتاژ کر دیا گیا اور اسے پھر شرعی عدالت میں بھیج دیا گیا۔ اس کیس کو پھر سرد خانے کی نذر کر دیا گیا۔ بالآخر بعض حضرات کی کوششوں سے ۲۲/ اکتوبر ۲۰۱۳ء سے اس مقدمے کی سماعت کا آغاز کیا گیا۔

پہلی سماعت کے بعد دوسری سماعت پر شرعی عدالت نے بتایا کہ ایک سوال نامہ تمام درخواست گزاروں، ماہرین قانون، علما اور ماہرین اقتصادیات کو ارسال کیا جائے گا جس کی روشنی میں ڈیمانڈ کردہ اس کیس پر بحث کی جائے گی۔ چنانچہ ۱۴ سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ شرعی عدالت کی طرف سے بذریعہ مراسلہ واخباری اطلاعات بھیجا گیا اور کہا گیا کہ اس کا جواب تیار کر کے ۵ نومبر تک شرعی عدالت کے رجسٹرار کو ارسال کیا جائے۔

یہ ۱۴ سوالات بحث کو اُلجھانے ہی کا ایک حربہ تھا کیونکہ اس قسم کا ایک سوال نامہ جو دس سوالوں پر مشتمل تھا، سپریم کورٹ نے بھی مختلف علما کو ارسال کیا تھا جس کا نہایت معقول اور مدلل جواب علما نے دیا تھا۔ اس کے بعد اس قسم کے سوالات کی قطعاً ضرورت باقی نہیں رہ گئی تھی۔ ان سوالات اور جوابات سے بحث کے نہایت اہم گوشے واضح ہو چکے تھے اور سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے ان کی روشنی ہی میں اپنا فیصلہ صادر کیا تھا۔ بہر حال ان ۱۴ سوالات کے جوابات بھی وفاقی شرعی عدالت کو بہت سے اہل علم[1] نے ارسال کر دیئے تھے لیکن اس کے باوجود شرعی عدالت میں یہ مقدمہ زیر بحث نہیں آ سکا۔ اس دوران ایک دو مرتبہ بعض حضرات

---

1 ملی مجلس شرعی، پاکستان کی طرف سے جوابات پر مشتمل کتابچہ اور تنظیم اسلامی کی طرف سے حافظ عاطف وحید کا تحریر کردہ کتابچہ بنام: ''انسدادِ سود کا مقدمہ''

کی طرف سے کوششیں بھی کی گئیں لیکن ان میں کامیابی نہیں ہوئی۔

چوتھی مرتبہ شرعی عدالت میں اَور ہوا کا رخ

اب اپریل ۲۰۱۷ء میں چوتھی مرتبہ وفاقی شرعی عدالت میں اس کیس کی سماعت شروع ہوئی اور پہلی سماعت کے بعد بحث غیر معینہ مدت کے لئے ملتوی کر دی گئی ہے۔ معلوم نہیں اب اس کا دوبارہ آغاز کب ہو گا اور کس طرح ہو گا؟ ہوا کا رخ تو کسی خطرناک طوفان کی نشاندہی کر رہا ہے اور چیف جسٹس صاحب کے تیور اور سوالات کا انداز بھی اس کی غمازی کر رہا ہے۔ اللہ خیر کرے!

اخباری رپورٹ میں چیف جسٹس صاحب کے جو ریمارکس شائع ہوئے ہیں، وہ کسی طرح بھی شرعی عدالت کے چیف جسٹس کے شایانِ شان نہیں ہیں۔ ان میں ایک بات یہ کہی گئی ہے کہ نزولِ قرآن کے وقت کی معیشت آج سے مختلف تھی، آج اس کو کیسے نافذ کیا جاسکتا ہے؟

یہ بات تو وہ لوگ کہتے ہیں جو آج کے دور میں اسلام کو ناقابل عمل قرار دیتے ہیں اور ان کی دلیل بھی یہی ہوتی ہے کہ آج کا معاشرہ اور حالات اسلام کے ابتدائی بدوی معاشرے سے مختلف ہیں۔ اسلام کی تعلیمات آج کے معاشرے میں نافذ نہیں ہو سکتیں۔ کیا فاضل چیف صاحب بھی یہی سمجھتے ہیں؟ ان کے بیان سے تو ان کا یہی موقف واضح ہو رہا ہے۔ اور یہ موقف اتنا کمزور، پھس پھسا اور بے بنیاد ہے جس سے پاکستان کا مقصدِ وجود ہی محل نظر قرار پاتا ہے اور آئین پاکستان میں جن دفعات میں قرآن و سنت کے نفاذ اور حکومت کو ان کے نفاذ کا پابند بنایا گیا ہے، وہ بھی بے مقصد اور محض نمائشی قرار پاتی ہیں۔ کیا یہ تاثر صحیح ہو گا؟ اگر یہ صحیح ہے تو پھر شرعی عدالت کے قیام کا بھی کیا جواز ہے؟

دوسری بات فاضل موصوف نے یہ فرمائی کہ ربوٰ، سود اور انٹرسٹ کی تعریف ہی متعین نہیں ہے، اس لئے پہلے ان کا معنی و مفہوم متعین ہونا چاہئے۔ حالانکہ پہلے دو فیصلوں میں ان الفاظ کے معنی و مفہوم اور مصداق پر مفصل بحثیں ہو چکی ہیں جن میں یہ طے پا چکا ہے کہ ان سب کا مصداق ایک ہی ہے اور وہ ربوٰ کی وہ صورت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں حرام قرار دیا ہے۔

ربوٰ عربی زبان کا لفظ ہے، اس کا ترجمہ / متبادل لفظ فارسی میں سود ہے اور اُردو زبان میں بھی یہی لفظ ربوٰ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ 'انٹرسٹ' انگریزی زبان کا لفظ ہے جو ربوٰ کے ہم معنی ہی ہے۔ ایک لفظ کے مختلف زبانوں کے اعتبار سے الگ الگ ناموں کا ایک دوسرے سے معنی و مفہوم میں مختلف ہونا ضروری نہیں۔ عموماً

سب زبانوں میں مستعمل الفاظ کا مفہوم و مطلب ایک ہی ہوتا ہے۔

یہ ریمارکس خلط مبحث یا اصل بحث سے گریز کی ایسی صورت ہے جو فاضل عدالت کے فاضل جج سے متوقع نہیں۔ علاوہ ازیں پھر موصوف نے انٹرسٹ کا مفہوم بھی خود بیان فرما کر سود کے جواز کی طرف بھی اشارہ فرمادیا کہ انٹرسٹ کا مطلب موجودہ دور میں سود نہیں بلکہ نقصان کا ازالہ سمجھا جاتا ہے۔ اگر فاضل موصوف کی اس بات کو درست سمجھ لیا جائے تو سود کے جواز اور عدم جواز کی بحث ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور اگر موصوف اپنے اس موقف پر ہی قائم رہتے ہیں جو کہ یکسر غلط اور بے بنیاد ہے تو پھر اس بنچ کی طرف سے جو فیصلہ آسکتا ہے، وہ محتاجِ وضاحت نہیں۔

پس چہ باید کرد؟

اس صورت حال میں اہل دین کی کیا ذمہ داری ہے جو ملک کو سود جیسی لعنت سے پاک دیکھنا چاہتے ہیں اور اس کے لئے کوشاں بھی ہیں۔ اس سلسلے میں پہلے قانونی و آئینی ماہرین سے مشاورت کر کے شرعی عدالت کے موجودہ بنچ کے بارے میں غور ہونا چاہئے کہ یہ بنچ آئینی ضابطے کے مطابق ہے؟ اگر یہ بنچ ہی آئینی تقاضوں کے مطابق نہیں ہے تو اس بنچ کو اس مقدمے کی سماعت کا حق ہی حاصل نہیں ہے۔ چہ جائیکہ اس کے فیصلے کو قانونی حیثیت حاصل ہو۔

شرعی عدالت کے بارے میں آئین کیا کہتا ہے؟

یہ مسئلہ اس لئے نہایت قابل غور اور بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے کہ شرعی عدالت کے ابتدائی سالوں میں حد رجم کا مسئلہ زیر بحث رہا تھا اور اس وقت جسٹس آفتاب حسین شرعی عدالت کے سربراہ تھے، اس وقت عدالت کے سربراہ کو چیف جسٹس نہیں بلکہ چیئرمین کہا جاتا تھا۔ گویا جسٹس آفتاب حسین کی چیئرمینی میں مسئلہ حد رجم پر بحث ہوئی۔ یہ صاحب بھی منحرف ذہن کے حامل تھے، اس لئے عدالت نے فیصلہ دے دیا کہ اسلام میں رجم کی کوئی حد نہیں۔

ظاہر بات ہے کہ یہ فیصلہ متواتر احادیث اور اجماعِ اُمت کے یکسر خلاف تھا۔ اس لئے اس فیصلے پر شدید احتجاج کیا گیا جس سے مجبور ہو کر صدر ضیاء الحق نے شرعی عدالت کے آئین میں یہ ترمیم کر دی کہ عدالت میں دیگر ججوں کے ساتھ تین علما بھی شرعی عدالت میں بطورِ جج لازمی ہوں گے اور اس کے مطابق تین علما کو جج نامزد بھی کیا گیا۔ ان میں ایک غالباً شفاعت حسین قادری تھے، دوسرے پیر کرم شاہ ازہری اور تیسرے ڈاکٹر فدا محمد خان۔ بعد

میں مولانا تقی عثمانی صاحب بھی اس کے جج رہے۔ اس نئے بنچ کی تشکیل کے بعد مسئلہ حدرجم پر دوبارہ بحث ہوئی جس میں راقم نے بھی اپنا بیان دیا تھا، اور پھر فاضل عدالت نے نیا فیصلہ دیا جس میں رجم کو حد شرعی تسلیم کیا گیا۔

اس تفصیل سے مقصود یہ واضح کرنا ہے کہ سب سے پہلے شرعی عدالت کے اس بنچ کی آئینی حیثیت پر غور کیا جائے جو اس مقدمے کی سماعت کے لئے بنا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ دوبارہ حدرجم جیسا غیر شرعی فیصلہ سامنے آجائے۔ اگر بنچ میں تین علما بطور جج شامل ہوں گے جیسا کہ آئینی تقاضا ہے تو اُمید ہے کہ بحث کا رخ صحیح ہو گا اور شریعت کے واضح احکام سے انحراف کا امکان بہت کم ہو جائے گا۔

فاضل عدالت سے گزارش

دوسری گزارش ہم فاضل عدالت کے فاضل ممبران سے کریں گے کہ اس مقدمے کا دو مرتبہ ایسا فیصلہ ہو چکا ہے جو قرآن و حدیث کے واضح دلائل پر مبنی ہے اور پورے ملک میں اس کو سراہا گیا ہے۔ اب اگر شوقِ اجتہاد میں اس سے انحراف کیا گیا تو ایک تو یہ قرآن کی بیان کردہ تمثیل کی روشنی میں اس عورت کے کردار کی طرح ہو گا جو سوت کاتنے کے بعد خود ہی اس کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ایسے کردار سے منع فرمایا ہے:

﴿وَلَا تَكُونُوا كَالَّتِي نَقَضَتْ غَزْلَهَا مِنْ بَعْدِ قُوَّةٍ أَنْكَاثًا﴾ [النحل:92]

"اور اس عورت کی طرح نہ ہو جاؤ جس نے اپنا سوت مضبوط کرنے کے بعد ٹکڑے کر کے توڑ ڈالا۔"

اللہ تعالیٰ نے موجودہ بنچ کو ایک نہایت اہم موقع عطا فرمایا ہے۔ وہ اس سے فائدہ اُٹھا کر سابقہ فیصلوں کی توثیق کر کے ایک بہت بڑی سعادت اور عظیم سرخروئی حاصل کر سکتے ہیں اور اگر ایسا نہ ہوا اور جسٹس آفتاب حسین جیسا فیصلہ صادر ہوا تو اہل پاکستان کے لئے وہ اسی طرح ناقابل قبول ہو گا جیسے فاضل عدالت کے حدرجم کی بابت غیر اسلامی فیصلے کو ردّ کر دیا گیا تھا۔ ہماری خواہش اور دعا ہے کہ فاضل عدالت کی طرف سے مذکورہ فیصلے کا اعادہ نہ ہو بلکہ اسلامیانِ پاکستان کے جذبات کا اسی طرح آئینہ دار ہو جیسے سابقہ دونوں فیصلے تھے۔

اللهم وفقنا وإياهم لما تحب وترضى... آمین!

(حافظ صلاح الدین یوسف)
مشیر وفاقی شرعی عدالت، پاکستان